Fikr-o-Nasar (Islamabad) 12:10-11 (1975)

سپہ سالارِ اعظم

مفتی محمد رفیع اللہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے بزرگ و برتر نے ساری کائنات کے لئے رہبر و ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ خدا کا آخری پیغام لیکر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ اس لئے تقاضائے قدرت یہ تھا کہ آپؐ کی شخصیت ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو۔ ایک عظیم مصلح و ہادی میں انسانی کمالات جس حد تک عقلاً متصوّر ہو سکتے تھے، سب کے سب رب العزت نے آپؐ کی ذاتِ اقدس میں ودلیعت فرما دیئے تھے۔

جزیرہ نمائے عرب کے جس ماحول میں آپؐ نے آنکھ کھولی تھی، دوسری باتوں کے علاوہ انسانی خون سے ہولی کھیلنا، بات بات پر خونریز لڑائیاں اور پھر نسل در نسل ان لڑائیوں کا جاری رہنا اور ہزاروں بے گناہ لوگوں کا اس میں قتل ہو جانا، معمولی باتیں تھیں۔ اسلام نے جہاں ان کی دوسری وحشیانہ حرکتوں کی اصلاح کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کیا، وہاں میدانِ جنگ میں بھی اس نے مفید اور قابل قدر اصلاحی اقدامات کئے۔

جنگ، حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے وحشت اور بربریت کا ایک بھیانک ڈرامہ تھی اور بس۔ نہ اس کے کچھ حدود تھے، نہ اخلاقی ضابطے۔ جب آپؐ نے مظلوم اور سسکتی ہوئی انسانیت کے دفاع کے لئے میدانِ جہاد میں قدم رکھا تو اس کو بھی ایک عبادت بنا دیا۔

آپؐ نے عساکر مسلمین کو حکم دیا کہ بچوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں اور گوشہ نشین لوگوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ آپؐ نے یہ حکم بھی دیا کہ صرف ان لوگوں سے لڑیں جو لڑنے میں پہل کریں دوسرا فریق صلح کی درخواست کرے، تو اس کی درخواست کو رد نہ کریں۔ آپؐ نے سمجھایا کہ مسلمان

© Dr. Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کی شمشیر زنی نہ مالِ غنیمت کے لئے ہے نہ کشور کشائی کے لئے۔

؎ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی! (اقبال)

یہ تو ارشادِ خداوندی کی روشنی میں صرف اور صرف اس لئے ہے کہ

"اگر اللہ تعالیٰ ایک کے ذریعہ دوسرے کی مدافعت نہ کرتا تو ان راہبوں کی خلوت گاہیں، یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے، مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے، سب ڈھا دیئے جاتے۔"

جنگ ایک ناگزیر ضرورت

بعض مستشرقین کا یہ الزام سراسر جہالت اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے کہ اسلام اپنی مستحکم روحانی اقدار کے بجائے زورِ شمشیر سے پھیلا ہے۔ اسلام نے بلاشبہ جنگ کی اجازت دی ہے مگر جارحیت اور استعماری مقاصد کے لئے ہرگز نہیں، اسلام صرف اس وقت ہتھیار اٹھانے کو جائز قرار دیتا ہے۔ جب ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے اور جہاں انسانی قواعد اتفاق رائے سے ہتھیار اٹھانے کو ضروری قرار دیں۔ آج اس نام نہاد مہذب دور میں کسی حکومت پر اگر جنگ مسلط کر دی جائے اور دشمن طاقت کے نشہ میں حالت امن میں رہنے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا دوسرے فریق کو اس کھلی جارحیت کے سامنے خاموش تماشائی بن کر کھڑے رہنے اور اس جارح قوت کے ہاتھوں اپنی تباہی کا منظر دیکھنے کی تلقین کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی باشعور انسان اس جارحیت کو برداشت نہیں کرے گا، اور دوسرے فریق کو ہتھیار اٹھانے، اور ظالم کو اس کے ظلم کا مزہ چکھانے کی اجازت دے گا، اور خاموش تماشائی بن کر رہنے کو قومی خودکشی قرار دے گا۔

جن لوگوں نے غیر جانبدارانہ طور پر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے، ان کو اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دقّت نہیں ہوئی ہوگی کہ اسلام نے دنیا سے ظلم اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کے خلاف جنگ کی اجازت دی ہے اور جہاں یہ مقصد حاصل ہو گیا وہیں اس نے جنگ کی ممانعت کر دی اور بے جا انسانی خون کو بہانا ناقابل معافی جرم قرار دیا۔ ارشاد قرآنی ہے:

"اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) خدا ہی کا دین

ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں، تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیئے"[1]

اور پیغمبر اسلام نے فرمایا:

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ لا اللہ الا اللہ کہہ دیں، جب وہ یہ کہہ دیں گے، تو مجھ سے اپنا خون اور مال بچا لیں گے، سوائے حق اسلام کے، اور ان کا حساب خدا کے حوالے ہے۔"[2]

تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے کبھی بھی دوسرے کے سر جنگ تھونپنے کی کوشش، یا اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی، بلکہ مسلمانوں کو اس پر مجبور کر دیا گیا ہے اور صرف اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے کی ان کو اجازت دی گئی ہے اسلام کے ابتدائی دور ہی میں نہیں۔ بلکہ ہجرت نبوی اور مدینہ منورہ میں مستقل اسلامی ریاست کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی مشرکین قریش اور دوسرے عرب قبائل کی طرف سے مسلمانوں پر ابتداءً جنگ مسلط کی گئی اور مسلمانوں کو دفاع میں لڑنا پڑا۔ خندق اور دوسری لڑائیاں اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ پیغمبر اسلام کی حیاتِ طیبہ میں لڑی جانے والی جنگوں پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی جنگ بھی جارحانہ نہیں ہے۔ آپؐ نے صرف دفاعی جنگیں لڑی ہیں، البتہ کبھی کبھی دوسرے فریق کی طرف سے نقضِ عہد اور اصرار علی القتال کی صورت میں آپؐ نے مدافعانہ پیش قدمی بھی کی ہے۔ اسی کو بعض کوتاہ بینوں نے جارحانہ جنگ کا نام دے کر اسلاف کے خلاف زہر اگلنے اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کر کے دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ قریش، یہودیوں اور رومیوں کے ساتھ بعض لڑائیاں اسی نوعیت کی تھیں۔ غزوۂ تبوک اس کی واضح مثال ہے۔

غزوۂ تبوک سب سے آخری مہم ہے جس میں آپؐ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ ان دنوں دنوں عرب میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ جس سے ملک میں بدامنی اور تباہی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر سلطنت روما نے مسلمانوں پر ایک بھرپور حملہ کرنے کی تیاریاں شروع

---

[1] بقرہ - ۱۹۳

[2] بخاری باب الایمان۔

کر دیں، آنحضرتؐ کو رومیوں کے اس حملے کا قبل از وقت علم ہو گیا، چنانچہ آپؐ نے اس خطرناک دشمن کو ملک کے حدود سے باہر روکنا مناسب سمجھا، اگرچہ مسلمان قحط کے بد اثرات سے پریشان تھے اس کے باوجود تیس ہزار کی جمعیت آپؐ کی ہمرکاب ہوئی اور عرب کے سرحدی شہر تبوک تک جا پہنچی۔ مسلمانوں کی اس مستعدی کو دیکھ کر رومیوں نے یورش کا ارادہ ترک کر دیا اور لشکرِ اسلام ۲۰ روز تبوک میں قیام کے بعد واپس مدینہ آگیا۔

بے نظیر قائد

ناظرین کو کسی قدر اندازہ ہوا ہو گا کہ اسلام نے جنگ کی اجازت صرف ناگزیر حالات میں دی ہے۔ اسلام جس کے نام ہی میں امن و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اس پر یہ الزام کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ وہ جنگ و جدل کو پسند کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی شخصیت کوئی جنگجویانہ شخصیت نہ تھی۔ اس کے باوجود جب ہم آپؐ کی عسکری قیادت پر نظر ڈالتے ہیں، تو وہ اپنی مثال آپ نظر آتی ہے۔ وہ ہستی جو تیرہ سالہ مکّی زندگی میں روحانی اور اخلاقی جدوجہد کے عوض ناقابل برداشت مصائب و آلام کا شکار رہی ہو اور جس نے کوئی باقاعدہ فوجی تربیت بھی حاصل نہ کی ہو، وہ ہستی خدائی اجازت ملتے ہی دنیا کے عظیم ترین سپہ سالار کے کردار کا مظاہرہ کرتی ہے۔

آپؐ نے دس سالہ مدنی زندگی میں تقریباً تیس غزوات میں شرکت فرمائی ہے (اور دوسرے بے شمار "سرایا" اس کے علاوہ ہیں)۔ فتح و نصرت نے ان سب میں آپؐ کے قدم چومے اور کہیں بھی آپؐ کو ہزیمت نہیں اٹھانی پڑی۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جرنیل کو دیکھ لیجئے، اپنی زندگی میں پیش آنے والے معرکوں میں سے کسی نہ کسی معرکہ میں وہ شکست کھا گیا ہو گا، آپؐ کی یہ مسلسل کامیابیاں آپؐ کی بہترین عسکری قیادت اور بے مثال حربی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا نتیجہ ہیں۔

آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد، جبکہ دنیا زندگی کے ہر میدان میں بے پناہ ترقی کر چکی ہے، علوم و فنون کے ساتھ ساتھ نت نئی ایجادات معرضِ وجود میں آرہی ہیں اور ماہرین فنِ حرب نے پے در پے عملی تجربات کی روشنی میں اس فن کو عروج پر پہنچا دیا ہے، اگر آپ تاریخ کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا نے سال ہا سال کی انتھک کوششوں کے بعد جن تدابیرِ جنگ کو کامیاب اور بہترین اصولِ جنگ قرار دیا ہے، پیغمبر اسلام

نبی امّی نے آج سے چودہ سو سال قبل ان اصولوں پر عمل کر کے دنیا کو ان سے روشناس کرا دیا تھا، آج بھی یورپ کے وہ ماہرین فن حرب جو مذہبی تعصّب کے شکار نہیں ہوئے ہیں، آپؐ کی حربی صلاحیتوں اور کامیاب تدابیر کے معترف نظر آتے ہیں۔ لائف آف محمدؐ کے مصنف آپؐ کی انہی حربی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

"برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، کہنا چاہیئے کہ فن حرب کی نئی راہ نکالی، مکّہ والوں کی بے دھڑک اور اندھادھند لڑائی کے مقابلہ میں خوب دُور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و ضبط سے کام لیا۔"

کامیاب فوجی قائد کی صفات

بنیادی چیز جس کو کل کی طرح آج بھی جنگ میں فیصلہ کن تصوّر کیا جاتا ہے، فوجی قائد کی عسکری صلاحیت ہے۔

آیئے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس ترقی یافتہ دَور میں جب کہ انسان نے نت نئے تجربات کی روشنی میں فن حرب کو ایک مستقل سائنس کی حیثیت دے دی ہے ایک کامیاب فوجی قائد کو کن صفات کا حامل ہونا ضروری تصوّر کیا جاتا ہے۔

فاضل محمود شیت خطاب، نے اپنی کتاب "الرسول القائد" میں جدید قوانین جنگ، اور دنیا کے مشہور و معروف ماہرین فن حرب کی آراء کی روشنی میں ایک اچھے حربی قائد کی صفات کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے[۳]۔

(۱) صحیح اور سریع تجاویز دینا۔ (۲) شخصی شجاعت (۳) قوتِ ارادی کا حامل ہونا۔ (۴) ذمّہ داری کو بلا تردد سنبھالنا (۵) مبادی جنگ سے واقفیت (۶) حوصلہ پیش قدمی (۷) بلند حوصلے کا مالک ہونا۔ (۸) دُور بینی (۹) ماتحت لوگوں کی نفسیات اور قابلیت کو سمجھنا (۱۰) فوج اور قائد میں باہم مکمل اعتماد ہونا۔ (۱۱) اس میں اور ماتحت لوگوں میں دو طرفہ محبت ہونا۔ (۱۲) شخصیت کا قوی ہونا (۱۳) بدنی قابلیت مسلم ہو۔ (۱۴) اس کی شریفانہ زندگی سب کو معلوم ہو۔ (۱۵) فوج اور رعایا کے ساتھ مکمل مساوات کا سلوک رکھتا ہو۔ (۱۶) باہمی مشورہ کرتا

---

[۳] مضمون کے اس حصہ میں زیادہ تر استفادہ "الرسول القائد" اور مسلمہ اصول جنگ نامی کتاب کیا گیا ہے۔

ہو۔ (۱۷) اسالیب جدیدہ، یعنی جنگ میں حسبِ ضرورت نئے اسلوب اختیار کرنے کی صلاحیت کا مالک ہو۔

ان صفات پر تفصیلی گفتگو کی یہ سطریں متحمل نہیں، ورنہ پوری وضاحت سے یہ بتا دیا جاتا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں کس جامعیت کے ساتھ یہ صفات موجود تھیں۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض پر کسی قدر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ آپؐ کس طرح ایک عظیم روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم حربی قائد کی صفات سے بھی متصف تھے۔

مساوات عصرِ حاضر کے بعض معروف و مشہور جرنیلوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کو بہترین عسکری قیادت کی پہچان بتاتے ہیں۔ امریکہ کے جنرل واشنگٹن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دن عام لباس میں کہیں جا رہا تھا کہ اس نے راستہ میں چند سپاہیوں کو دیکھا جو ایک شہتیر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے، قریب ہی فوج کا افسر کھڑا تھا جو انہیں برابر حکم دینے میں مشغول تھا۔ واشنگٹن نے گھوڑے سے اُتر کر افسر سے کہا، آپ بھی کیوں اس میں شامل نہیں ہو جاتے؟ افسر نے جواباً کہا، آپ نہیں دیکھتے کہ میں ان کا افسر ہوں اس پر واشنگٹن نے سپاہیوں کے ساتھ مل کر زور لگایا۔ شہتیر اٹھا لیا گیا تو اس نے افسر سے کہا "آئندہ جب بھی آپ کو محنت کے کام میں کسی آدمی کی ضرورت پڑے مجھے بلا لیا کیجیے۔ میں آپ کا سپہ سالار واشنگٹن ہوں۔" [۴]

اس میں شبہ نہیں کہ یہ واقعہ بھی اپنی جگہ عظیم الشان ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے ان جرنیلوں کو مساوات کا یہ درس کس نے دیا، وہ کونسا قائد تھا جس نے اپنے بعد آنے والے جرنیلوں کے لئے یہ سنہرا اصول چھوڑا ہے۔ اگر آپ نے تاریخ پڑھی ہے تو آپ کو یقیناً علم ہوگا کہ وہ قائد سرور دو عالم کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اجتماعی محنت و مشقت کے کاموں میں آپؐ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں ایک عام مسلمان کی طرح آپؐ بھی پتھر اور گارا اٹھاتے

---

[۴] اسلام ہمارا دین۔ از مولانا کوثر نیازی صاحب۔

میں مصروف نظر آتے ہیں. غزوۂ خندق میں جب مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لئے خندق کی کھدائی کرنی پڑی، آپؐ بھی دن رات خندق کی کھدائی اور مٹی نکالنے میں مصروف رہے بلکہ کھدائی میں جب بھی کوئی مشکل مرحلہ سامنے آیا جس سے دوسرے لوگ عاجز آئے، آپؐ ہی نے آگے بڑھ کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی خندق کے موقعہ پر ایک صحابی نے بھوک اور فاقے کی شکایت کی اور قمیض اٹھا کر بتایا کہ پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ آپؐ نے اپنا کرتہ مبارک اٹھا کر دکھایا تو دو پتھر پیٹ پر بندھے ہوئے تھے۔ ایک سفر میں صحابہ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کا کام آپس میں بانٹ لیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا "میں جنگل سے لکڑی لاؤں گا"۔ صحابہؓ نے لاکھ عرض کیا، آپؐ تکلیف نہ کریں جاں نثار کافی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔"

غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کے پاس صرف ستر اونٹ تھے جو صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔ آپؐ کے ساتھ بھی ایک عام مسلمان کی طرح دو آدمی ایک اونٹ میں شریک تھے۔ ایک حضرت علیؓ اور دوسرے حضرت مرثد بن ابی مرثد، دونوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ آپؐ سوار ہوں ہم پیدل چلیں گے۔ جواب میں آپؐ نے فرمایا "تم دونوں مجھ سے طاقتور نہیں ہو، اور نہ میں اجر و ثواب کے شوق میں تم سے کم ہوں۔"[1]

دیکھا آپ نے پیغمبر اسلام نے محض زبانی بلند بانگ دعوؤں کے بجائے کس طرح مساوات کا عملی مظاہرہ کیا۔ ان فی ذلک لعبرۃ لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید۔

مشورہ ایک اچھے فوجی جرنیل کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مہماتی امور میں ماتحت افسروں، بلکہ سپاہیوں تک سے مشورہ کرے۔ آپؐ کا یہ دستور تھا کہ جنگی اور دوسرے معاملات میں ہمیشہ صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ حدیبیہ کے علاوہ اکثر غزوات میں آپؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور ان کی رائے کو قبول کیا، یہاں تک کہ بعض مواقع پر آپؐ اپنی رائے تک سے دستبردار ہوئے اور صحابہ کی رائے کو قبول فرمایا۔ جیسے غزوۂ احد کے موقعہ پر آپؐ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس بعض صحابہؓ جیسے حضرت حمزہؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور نعمان بن مالکؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ دشمن کو یہ خیال نہ رہے کہ ہم مدینہ سے

باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے سے ہچکچا رہے ہیں،
بلکہ حضرت حمزہؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ
"والذی انزل علیک الکتاب لا اطعم الیوم طعاما حتی اجاد لھم بسیفی خارج المدینۃ"
"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی۔ میں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا اپنی تلوار سے مقابلہ نہ کرلوں"
چنانچہ آپؐ اپنی رائے سے دستبردار ہوئے اور ان حضرات کی رائے کو قبول فرمایا۔

بلند حوصلگی

کسی بھی کامیاب فوجی کمانڈر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بڑے دل گردے کا مالک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ فتح یابی کے نشہ میں آپے سے باہر ہوجائے اور اعتدال کی راہ چھوڑ کر ظلم وستم، قتل وغارت گری پر اتر آئے، نہ ایسا ہو کہ سخت خطرناک حالات میں حوصلہ ہار کر اپنے نصب العین کو بھلا دے۔ آپؐ کو ان دونوں حالتوں میں اپنے اوپر اتنا کنٹرول تھا کہ عقلِ انسانی اس کے تصوّر سے دنگ رہ جاتی ہے۔ احد کی لڑائی میں جب پہاڑی دستہ کی غفلت سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹالئے۔ خالد بن ولید کے اچانک حملے سے بڑے بڑے دلیر مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، مگر مجال ہے کہ آپؐ کے پائے ثبات اور قدم استقلال میں تزلزل آئے، پتھر کھائے، تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش ہورہی ہے۔ خود کی کڑیاں سرِ مبارک میں دھنس گئی ہیں۔ دندان مبارک شہید ہوچکا ہے، چہرہ اقدس زخمی ہورہا ہے، مگر خدا کے رسول کے استقامت میں ذرہ بھر فرق آجائے ناممکن ہے۔

یہ حنین کا میدان کارزار ہے۔ دس ہزار تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ بڑے بڑے دلیر اور بہادر کچھ وقفے کے لئے اس بارش کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ یہاں بھی تن تنہا چند جانثاروں کے ساتھ آپؐ دشمن سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور ادھر انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب، کا نعرہ بلند ہورہا ہے۔

دوسری جانب فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ نے جس بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔

شخصیت کوئی بھی فوجی قائد قوی اور بہادر ہو، لیکن اس کی شخصیت عوام اور فوج کی نظروں میں کمزور ہو، اس کو حکم منوانے، نیز فوجی ڈسپلن قائم رکھنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ نے ابتداء عمر سے دیکھا اور جانا تھا۔ نبوت سے قبل بھی ان میں عفیف، پاکدامن، امین اور مظلوموں کے حامی مشہور تھے اور ایمان لانے کے بعد تو آپؐ کے ہر اشارہ کو وہ حکمِ خداوندی سمجھتے تھے۔ آپؐ کے اخلاق کریمانہ جذبۂ اخوت و مساوات، ہمدردی وغیرہ صفتیں اس پر مستزاد تھیں پھر فوجی خدمات اور جنگی امور میں ان سب سے زیادہ تھے۔ اسی وجہ سے آپؐ کی شخصیت کا اثر آپؐ کی فوجی مہمات میں نمایاں تھا۔

فوری فکری حرکت یا تجویز ایک بہترین فوجی قائد میں یہ وصف بھی ہونا چاہیئے کہ وہ مہمات میں جلدی سوچے اور فوری طور پر فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیکر کارروائی کر سکے۔ اس سلسلہ میں صرف غزوۂ خیبر اور خندق کا حال پڑھیئے، آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ آپؐ نے ان مواقع پر کس طرح سرعت فکر سے کام لیکر کامیابیاں حاصل کیں۔

نیا اسلوب جنگ جنگ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا یا ایجاد کرنا جس کا دشمن کو تصوّر بھی نہ ہو اور وہ اس غیر متوقع اسلوب کی تاب نہ لا کر شکست کھا جائے، یا مقابلہ سے باز آجائے، ایک کامیاب اور قابل فوجی قائد کی خصوصیات میں سے ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر اور غزوۂ خندق میں یہی اسلوب اختیار فرمایا۔ مشرکین قریش عام عرب قاعدے کے مطابق کرّوفر کے اصول جنگ کے عادی تھے۔ بدر کے موقعہ پر آپؐ نے کرّوفر کے اصول کے بجائے صف بندی کا اسلوب اختیار کیا، جو عرب دنیا کے لئے بالکل نئی شے تھی اور بالآخر وہ اس اسلوب سے مغلوب ہوگئے۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقعہ پر آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے خندق کھدوائی۔ عرب خندق سے قطعاً ناواقف تھے، ان کے لئے یہ بالکل نیا اسلوب تھا، نتیجتہً ۲۴ ہزار کا لشکرِ جرار بے نیل مرام واپس ہونے پر مجبور ہوا۔ اندرونِ شہر، سڑکوں، گلیوں میں لڑائی کے جو اصول آج مروج ہیں، غزوہ

بنو نضیر و بنو قریظہ اور غزوۂ خیبر میں آپؐ نے انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بالآخر قلعہ بند فوجوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا، جبکہ دوسری عالمگیر جنگ میں سٹالن گراڈ میں شہر کے اندر کی لڑائی میں آخر تک جرمن روسیوں کو شکست نہ دے سکے۔

چند دوسری امتیازی صفات

آج ایک اچھے جرنیل کے لیے جن دوسری مثالی صفات کا حامل ہونا ضروری تصوّر کیا جاتا ہے آپؐ کی ذاتِ اقدس میں وہ بھی بدرجہ اتم موجود تھیں جن میں چند ایک کا ذکر یہاں بے محل نہیں ہوگا۔

کم سے کم جانوں کا ضیاع

ایک کامیاب فوجی جرنیل کی یہ امتیازی صفت تصور کی جاتی ہے کہ وہ کم سے کم انسانی جانیں دے کر مطلوبہ مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائے۔ یہ صفت جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے ہیں تو آپؐ کی ذات ہمیں اس بارے میں بالکل منفرد نظر آتی ہے۔ آپؐ نے ایک عظیم اسلامی سلطنت، جس سے روم و فارس کی تاریخی سلطنتیں خوف زدہ تھیں، قائم کرنے، اور ایک عظیم انقلاب برپا کرنے کے لیے جتنی لڑائیاں لڑی ہیں، ان میں مجموعی طور پر تقریباً ایک ہزار انسانی جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ موجودہ زمانے کی جنگ کی تباہ کاریاں ملاحظہ ہوں۔ صرف دو عظیم جنگوں میں اندازاً آٹھ کروڑ آدمی ہلاک یا زخمی ہوئے۔ لاکھوں عورتوں، بچوں، بے گناہوں کی تباہی اس کے علاوہ ہے

فوج کی حفاظت

عسکری قیادت کی ایک بڑی خوبی یہ تصوّر کی جاتی ہے کہ قائد اپنی فوج، سامانِ جنگ اور ذرائع حمل و نقل کی حفاظت پورے طور پر کرے۔ سرورِ دو عالم نے یہ فرائض جس خوش اسلوبی سے انجام دیئے ہیں، تاریخ و سیرت کی کتابیں اس کی شاہد عدل ہیں۔

فوجی نقل و حرکت کی صلاحیت

ایک فرض شناس حربی قائد کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ پوری سرعت اور تیزی کے ساتھ فوجوں کو حسب ضرورت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔ آپؐ نے اس فرض کو جس حسن و خوبی سے پورا کیا ہے، دنیا کی جدید فوجوں میں بھی اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ مدینہ

منورہ کے دُور ہوتے ہوئے اور نقل وحمل کے وسائل کے فقدان کے باوجود آپؐ نے جس سرعت اور تیزی کے ساتھ تبوک، دومتہ اور فلسطینی میدانوں میں فوج پہنچائی، آپؐ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی روشن مثالیں ہیں۔

جنگ میں خود حصّہ لینا

آج اس فوجی کمانڈر کو بہادر اور کامیاب سمجھا جاتا ہے جو کبھی کبھار خود بھی میدان جنگ میں کود پڑتا ہو۔ اس سے ایک طرف اگر اس کی بہادری کا احساس دلوں میں جم جاتا ہے، تو دوسری طرف لڑنے والے فوجیوں کے حوصلے بھی بلند ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب ہم آپؐ کی سیرت اقدس پر نظر ڈالتے ہیں تو آپؐ بہت سی لڑائیوں میں عام مسلمانوں کے ساتھ برابر برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ جب بھی میدانِ جنگ میں مشکل وقت کا احساس فرمایا بے دھڑک میدانِ جنگ میں تشریف لائے اور عام مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑائی میں حصّہ لیا، جس سے آپؐ کی بے پناہ شجاعت، بہادری اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔